Journal of Language, Literature & Social Affairs | 2(6), 111-117, 2026

DOI: https://doi.org/10.63056/jllsa.2.6.2026.378

Journal of Language, Literature & Social Affairs

journal homepage: https://scholarclub.org/index.php/jllsa

A Stylistic Study of Dr. A. B. Ashraf's Travelogue *Hus-e-Sair-o-Tamasha*

Arooj Fatima[a] , Dr. Imtiaz Hussain Baloch*[b], Nida Saeed[c]

a. M.Phil Scholar, Department of Urdu, University of Southern Punjab (USP), Multan.
b. Chairman, Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan.
c. PhD Scholar, Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan.

ARTICLE INFO

Received:
May 09, 2026
Revision Received:
May 24, 2026
Accepted:
June 12, 2026
Available Online:
June 30, 2026

Keywords:
Wanderlust and Sightseeing, Scenic Description, Historical Awareness, Cultural Study, Social Analysis, Satire and Humor, Comparative Study, Western Society, Eastern Society, Social Values, Human Thought, Cultural Observations

ABSTRACT

This study examines the travelogue Hus-e-Sair-o-Tamasha by Dr. A. B. Ashraf from a research and critical perspective. The study focuses on the writer's observations of Turkey, Australia, Germany, Belgium, France, Italy, Hungary, Bulgaria, Romania, and other European regions. It highlights the major characteristics of his travel writing, including simplicity, fluency, spontaneity, vivid description, historical awareness, humor, romantic sensibility, and social criticism. Dr. A. B. Ashraf does not restrict his narrative to geographical and recreational experiences; rather, he explores the history, culture, architecture, public facilities, cleanliness, transportation, lifestyle, economic conditions, religious practices, and social values of different societies. His comparative observations of Eastern and Western cultures reveal both the strengths and weaknesses of these societies. The study also examines his criticism of social hypocrisy, superstition, sectarianism, moral contradictions, and economic inequality, alongside his appreciation of discipline, hard work, cleanliness, education, and human freedom. His emphasis on humanity, tolerance, mutual respect, and peaceful coexistence gives the travelogue a distinctive intellectual dimension. Overall, Hus-e-Sair-o-Tamasha emerges as more than a record of travel; it is a literary work combining geography, history, culture, society, economics, aesthetics, and human experience.

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے سفرنامے ”ہوسِ سیر و تماشا“ میں مختلف ممالک اور شہروں کے مشاہدات کو نہایت دلچسپ، سادہ اور دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مصنف کا قیام ترکی میں جناح روڈ پر واقع ہے۔ سفرنامے کے آغاز ہی میں ایک دلچسپ صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ انقرہ میں ایک اہم شاہراہ قائداعظم محمد علی جناح کے نام سے موسوم ہے اور اتفاق سے ہندوستانی سفارت خانہ بھی اسی شاہراہ پر واقع ہے۔ مصنف اس صورتِ حال کو نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کرتے ہوئے اس جانب توجہ دلاتے ہیں کہ اگر کوئی ہندوستانی شہری سفارت خانے کا پتا دریافت کرے تو اسے جناح روڈ کا نام بتایا جائے گا، جو اس کے لیے جذباتی طور پر ایک خاص کیفیت پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف اپنے سفر کا آغاز ترکی کے شہر انقرہ سے کرتے ہیں، پھر مرند اور استنبول سمیت مختلف شہروں کا سفر کرتے ہیں۔ دورانِ سفر جن چیزوں نے انہیں سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں شہروں کی سڑکیں، عمارات، صفائی کا نظام اور بالخصوص تاریخی مقامات شامل ہیں۔ وہ ہر

* Correspondence to: Chairman, Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan.
E-*mail address:* imtiazhussain@usp.edu.pk (I. H.Baloch)

3105-4919 & 3105-4927/© 2026 The Authors. Published by Scholar Club. This is an open access article.

شہر کی تاریخی اہمیت اور تہذیبی حیثیت سے قاری کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس طرح سفرنامہ محض مشاہدات اور تفریحی تجربات تک محدود نہیں رہتا بلکہ تاریخی معلومات کا بھی اہم ذریعہ بن جاتا ہے۔ ادرنے کے تاریخی پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''ادر نے ترکی کے یورپی حصے کا دوسرا بڑا شہر ہے ماضی میں عثمانی سلطنت کا صدر مقام بھی رہا اس سے پہلے برصہ تھا۔ رومی شہنشاہ حیدریان نے 11 صدی عیسوی میں اس شہر کی بنیاد رکھی اس کا قدیم نام اڈر یا نوپل تھا کچھ عرصہ بدنطینی بھی اس پر قابض رہے۔1101ء میں صلیبیوں نے اس شہر کا محاصرہ کیا چودھویں صدی عیسوی میں سلطان مراد اول نے اس شہر کو فتح کیا۔اس شہر نے عثمانیوں کا مقدر بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا یہ 90 برس تک سلطنت کا ناقابل تسخیر قلعہ بنا رہا۔استنبول کا فاتح سلطان محمد اسی شہر میں پیدا ہوا اور اسی شہر میں اس نے استنبول کو فتح کرنے کا پلان بنایا تھا۔"(۱)

اسی طرح رومانیہ کے ذکر کے موقع پر بھی مصنف اس ملک کے نام اور اس کے تاریخی پس منظر کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کا مقصد محض قاری کو معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ اس کی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے اسے مزید تاریخی مطالعے اور جستجو کی طرف مائل کرنا بھی ہے۔ اس اعتبار سے ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف ایک سفرنامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ محقق، نقاد اور تخلیق کار کی حیثیت سے بھی نمایاں ہوتے ہیں۔

''ہوسِ سیر و تماشا'' کے اسلوب کا ایک نمایاں وصف سادگی اور بے ساختگی ہے۔ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف پیچیدہ اور ثقیل زبان کے بجائے عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ سفر کے دوران جو کچھ ان کے مشاہدے میں آتا ہے، اسے براہِ راست اور مؤثر انداز میں قلم بند کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے اسلوب کے بارے میں لکھا گیا ہے:

> "ڈاکٹر اے بی اشرف کا اسلوب نہایت سادہ ہے- وہ سیر کے دوران ان تمام چیزوں کو بیان کرتے ہیں مثلا روم کے بازاروں گلیوں کوچوں سے قدامت ٹپکتی ہے۔ پرانے آثار سارے روم کی عظمت پارینہ کے امین ہیں وہ چیزوں کو نہایت اچھے انداز سے بیان کرتے ہیں۔"(۲)

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے استنبول سے ادرنے کے سفر کے دوران پہاڑی علاقوں میں شاہراہوں پر کیے جانے والے حفاظتی انتظامات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان مشاہدات کے ذریعے وہ مختلف معاشروں میں عوامی سہولیات اور حکومتی انتظامات کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ترکی کے متعدد بڑے شہروں کے نام بھی انہوں نے دلچسپی سے بیان کیے ہیں، مثلاً استنبول، انقرہ، ازمیر، انطالیہ، ادانا اور اڈاپازاری وغیرہ۔ دورانِ سفر وہ اپنے گرد و پیش کے مناظر، سائن بورڈز، ذرائع نقل و حمل، صنعت و زراعت، رہن سہن، لوگوں کے طرزِ زندگی، زبان، لباس اور موسم سمیت مختلف پہلوؤں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کے بیان کی خوبی یہ ہے کہ وہ محض معلومات فراہم نہیں کرتے بلکہ اپنے مشاہدے کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ قاری بھی خود کو اس سفر کا شریک محسوس کرنے لگتا ہے۔ سرسبز میدان، لہلہاتے کھیت، گھنے جنگلات اور رواں دواں دریاؤں کی منظرکشی میں مصنف کی تخلیقی صلاحیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس طرح ان کی نثر میں منظر نگاری اور جذباتی کیفیت ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتی ہیں۔

آسٹریلیا میں داخل ہوتے وقت سرحدی بستی کے منظر کی تعریف کرتے ہوئے مصنف کے اندر موجود رومان پسندانہ مزاج بھی نمایاں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''سرحدی بستی ہی اتنی دلکش تھی کہ جی چاہتا تھا کہ یہیں قیام کیا جائے سامنے چھوٹا سا گرجا گھر تھا سرخ رنگ کی عمارت مخروطی مینار اور اوپر صلیب لگی ہوئی۔کھیتوں میں فصلیں کٹ چکی تھی نئی فصلیں بوئی جا چکی تھی۔''(۱)

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کسی مقام کو محض جغرافیائی نقطۂ نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کے حسن، ماحول اور جمالیاتی خصوصیات کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ یہی وصف ان کی منظر نگاری کو مؤثر بناتا ہے۔

جرمنی میں اولمپیا اور ویسٹ پارک کی سیر کے دوران بھی ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے وہاں کے حسن اور ماحول کو والہانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ جرمن خواتین کے ظاہری حلیے اور نفاست کا دیگر مغربی ممالک کی خواتین کے ساتھ تقابلی جائزہ بھی پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح مریم بازار اور اس کے گرد و نواح کی عمارات کا ذکر، علامہ اقبال پارک اور ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی طرف توجہ، ان کے تاریخی اور ادبی شعور کی عکاسی کرتی ہے۔ ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے حوالے سے وہ علامہ اقبال کی علمی وابستگی کا ذکر کرتے ہیں۔ ٹیگرنسی میں جھیل کا مشاہدہ کرتے ہوئے انہوں نے قدرتی حسن کے ساتھ انسانی فن کاری اور تعمیراتی حسن کو بھی سراہا ہے۔ وہ ٹیگرنسی کو جنت کا ایک ٹکڑا قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ٹیگرنسی اتنی دلکش، اتنی خوبصورت اتنی پررونق سرسبز و شاداب بھی کہ جنت کا ٹکڑا دکھائی دے رہی تھی۔ یہ بستی میونخ سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ جھیل میں بیسیوں کشتیاں لانچیں چھوٹی بڑی جھیل کی سطح پر تیر رہی تھیں۔ ان کشتیوں کے رنگ برنگ لہراتے ہوئے بادبان بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔''(۴)

ایمٹرڈم میں کیمپ کے قریب واقع جھیل کی منظرکشی بھی مصنف کی جمالیاتی حس کی آئینہ دار ہے۔ مرغابیوں، بطخوں، مخملیں گھاس اور گھنے درختوں کی قطاروں کا ذکر قاری کے ذہن میں ایک دلکش منظر تشکیل دیتا ہے۔ اس طرح کی منظر نگاری سفرنامے کو محض معلوماتی تحریر کے بجائے ایک جمالیاتی تجربے میں تبدیل کر دیتی ہے۔

خوب صورت منظر نگاری ایک کامیاب سفرنامہ نگار کی اہم خصوصیت سمجھی جاتی ہے اور یہ وصف ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کی تحریروں میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ وہ دورانِ سفر مختلف علاقوں کے لوگوں کے ظاہری خدوخال اور طرزِ زندگی کا بھی باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ بلغاریہ کے لوگوں کے حلیے کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

''راستے میں جو بھی عورتیں نظر آئیں جسم سیڈول، فربہی مائل، بال زیادہ تر گھنگریالے، رنگ سفید اور قد کاٹھ نکلتے ہوئے۔ مرد جفاکش دکھائی دیے جن کے چہروں سے کرختگی ٹپکتی تھی۔''(۵)

مصنف کے سفرنامے میں مختلف معاشرتی مسائل کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہ بعض مقامات پر جنسی کاروبار اور معاشرتی بے راہ روی کو موضوع بناتے ہیں اور اسے معاشرتی و اخلاقی مسائل کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ استنبول کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پچھلے دنوں استنبول میں ایک روسی لڑکی کو پکڑا گیا۔ خوبصورت اتنی کہ جس کے دیکھتے ہی انسان غش کھا جائے۔ ایک آدھ مہینے میں 100 ڈیڑھ سو مردوں کو بھگتا چکی تھی۔ اس کا ٹیسٹ کروایا گیا تو ایڈز زدہ نکلی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان مردوں کا تعلق قونیا سے تھا جو کہ ایک مذہبی شہر ہے کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ شراب قونیہ میں پی جاتی ہے۔''(۶)

اس طرح کے مشاہدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف سفر کے دوران صرف خوب صورتی اور خوش گوار مناظر تک محدود نہیں رہتے بلکہ معاشرتی تضادات اور منفی رویوں کو بھی اپنی تحریر کا حصہ بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک سفرنامہ حقیقت پسندانہ مشاہدے کا نام ہے، اس لیے اس میں زندگی کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کی عکاسی ضروری ہے۔

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف یورپ میں نوجوان نسل کے بعض معاشرتی رویوں کا بھی ذکر کرتے ہیں اور ان کا تقابل مشرقی معاشرے سے کرتے ہیں۔ ان کے مطابق مشرقی معاشرے میں جنسی معاملات پر کھلے عام گفتگو کو ناپسند کیا جاتا ہے، جب کہ عملی سطح پر بعض منفی رویے پوشیدہ طور پر موجود رہتے ہیں۔ مصنف ان تضادات کو معاشرتی منافقت کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اس قسم کے مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کے دوران معاشرتی حقیقتوں کا گہرا جائزہ لیا اور مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کو اپنی تحریر میں جگہ دی۔

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے سفرنامے کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی مخصوص معاشرے کے بارے میں یک طرفہ رائے قائم نہیں کرتے۔ جہاں وہ یورپی معاشروں کی بعض کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں، وہیں ان کی خوبیوں کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ ایمٹرڈم کے سفر کے دوران وہ مشرقی اور مغربی معاشرت کے مختلف پہلوؤں کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یورپ کی زندگی میں دونوں پہلوؤں کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے عریانی، فحاشی، جنس زدگی یورپ کی زندگی میں عام ہے ہمارے یہاں جنس زدگی کہیں زیادہ ہے لیکن ہمارے یہاں سب کچھ خفیہ ہوتا ہے منافقت کا لبادہ ہر ایک نے اوڑھ رکھا ہے وہاں سب کچھ ظاہر ہے اور کھلم کھلا لیکن ان کی اچھائیاں اور خوبیاں بھی کچھ کم نہیں صفائی ستھرائی محنت ڈسپلن وطن پرستی ذوق نفاست ان کے عام اور نمایاں اوصاف ہیں جو ہمارے یہاں مقصود ہیں۔''(۷)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف مغربی معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو ایک ہی زاویے سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ صفائی، محنت، نظم و ضبط، وطن سے محبت اور نفاست جیسے اوصاف کو قابلِ تحسین قرار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ ان معاشرتی رویوں پر تنقید کرتے ہیں جو انہیں اخلاقی اعتبار سے نامناسب محسوس ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اے بی اشرف کا اردو ادب میں ایک مقام ہے۔ انہوں نے یورپ کی سیر کے دوران مختلف چیزوں کو دیکھا اور اس کو اپنے قلم سے لکھا۔ ہوسِ سیر و تماشا میں انہوں نے اپنی پوری مہارت صرف کر دی، آسان الفاظ میں بیان کیا ہے اور بے جا طوالت سے گریز کیا ہے۔''(۸)

یہ رائے ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے اسلوب کی بنیادی خصوصیات کو واضح کرتی ہے۔ ان کی زبان عام فہم، رواں اور مشاہداتی ہے۔ وہ غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے موضوع کو براہِ راست قاری تک پہنچاتے ہیں۔

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے اپنے سفر کے دوران یورپی ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معاشرتی اور معاشی تبدیلیوں کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کے مشاہدے میں بعض ممالک میں سرمایہ دار طبقے کی بڑھتی ہوئی اجارہ داری اور طبقاتی تفاوت نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظام کے باعث معاشی ناہمواری میں اضافہ ہوا، جس کے نتیجے میں امیر طبقہ مزید خوش حال اور غریب طبقہ مزید مشکلات کا شکار ہوا۔

وہ سابق سوشلسٹ ممالک کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے معاشی و سماجی نظام کا سرمایہ دارانہ معاشرے سے تقابل بھی کرتے ہیں۔ اس تقابل میں ان کی ذاتی فکری وابستگی اور معاشرتی مشاہدہ دونوں شامل دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں بعض سوشلسٹ معاشروں میں اگرچہ خوش حالی محدود تھی، تاہم بنیادی ضروریات اور قانون کی حکمرانی کے حوالے سے صورتِ حال مختلف تھی۔

مختلف ممالک میں داخلے کے لیے سرحدی قوانین اور انتظامی مراحل بھی ان کے مشاہدے کا حصہ ہیں۔ بلغاریہ سے رومانیہ داخل ہوتے وقت انہیں سرحدی پولیس کی سست روی کا سامنا کرنا پڑا، جب کہ ہنگری کی سرحد پر میجر جاوید کی وجہ سے انہیں خصوصی سہولت حاصل ہوئی۔ اس موقع پر مصنف نے اپنی حسِ مزاح کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس واقعے کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔

''میجر صاحب کو ہم نے خراجِ تحسین پیش کیا اور انہیں میجر سے کرنل کے عہدے پر فوری ترقی دے دی جو انہوں نے شرما کر قبول کر لی، ان کی بیگم صاحبہ بھی اس ترقی پر جو خوش دکھائی دے رہی تھیں۔''(۹)

یہ اقتباس ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے مزاحیہ اسلوب کی عمدہ مثال ہے۔ وہ معمولی واقعات میں بھی مزاح کا پہلو تلاش کر لیتے ہیں اور قاری کو مسکرانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

پیرس کے شہر لورے کے متعلق مصنف نے خاصی تفصیل سے معلومات فراہم کی ہیں۔ تاریخی مناظر، نایاب فن پارے، مجسمے، تصاویر اور شہر کے معروف شاہکاروں کے بیان میں ان کا باریک مشاہدہ نمایاں ہوتا ہے۔ ویٹی کن سٹی کے بازاروں میں خریداری کے دوران بھی ان کی حسِ مزاح بیدار نظر آتی ہے۔ اٹلی کے جوتوں کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اٹلی کے جوتے بہت مشہور ہیں عمران صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے ایک جوتا خریدا عمران سلمی کے لیے نہایت ہلکا اور نفیس جوتا خریدنا چاہتے تھے جبکہ وہ بھاری اور مضبوط جوتا پسند کر رہی تھی اس میں کیا نقطہ پوشیدہ تھا اللہ جانے لیکن بہرحال اوسط درجے کے جوتے پر سمجھوتہ ہو گیا۔''(۱۰)

ویٹی کن سٹی کے بارے میں مصنف نے اس کی جغرافیائی اور مذہبی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسے دنیا کی مختصر ترین ریاستوں میں شمار کیا ہے۔ وہ اسے رومن کیتھولک مسیحیوں کے روحانی مرکز کے طور پر متعارف کراتے ہیں اور اس کی مختصر تاریخ بھی بیان کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے سفرنامے میں جغرافیہ، تاریخ اور مذہبی معلومات ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف مختلف تہذیبوں کے عروج و زوال پر بھی غور کرتے ہیں۔ ہنگری کے سنہری دور کا ذکر کرتے ہوئے وہ وہاں کے حکمران متھیاس اور علمی و ثقافتی سرپرستی کی تفصیلات بیان کرتے ہیں:

''کہتے ہیں کہ ہینگری کا سنہری دور تھا جب متھیاس کا روبنس اس کا حکمران بنا اس نے علم و فن کی خوب سرپرستی کی اس کی دوسری بیوی بیاٹرس آف آراگون نے ثقافت و فن کو پھیلانے میں بڑا حصہ لیا۔لیکن متھیاس کے بعد کوئی ایسا حکمران پیدا نہ ہوا جو اس جیسی قابلیت اور ذوق کا مالک ہو۔''(۱۱)

ہنگری کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مصنف انقلابی دانشور اور شاعر پتوفی کا بھی خصوصی ذکر کرتے ہیں۔ اس سے ان کی تاریخ شناسی، ادبی ذوق اور ادبی شخصیات سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ٹاپ لیس نائٹ کلب کو دیکھ کر وہ ماضی میں اپنے معاشرے میں موجود تفریحی ذرائع اور جدید مغربی معاشرے کے تفریحی انداز کا تقابل کرتے ہیں۔ اس موقع پر ان کے اسلوب میں یادِ ماضی کا رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک زمانے میں جب ہمارے شہر میں میلے ٹھیلے لگتے تھے تو ان میں تھیٹر بھی ہوتے تھے جن کے دروازے پر خواجہ سرا قسم کے لڑکے بالے لڑکیوں کی طرح کے رنگین لباس پہن کر ناچ رہے ہوتے تھے لوگوں کی توجہ اور دلچسپی مبذول کرنے کی خاطر بالکل اسی قسم کی صورت یہاں تھی گاہکوں کو لاسہ لگانے کے لیے ایک بلند قامت سراپا قیامت اشتعال انگیز دانوں اور منی نیکر میں پھنسے پھنسے کولہوں والی دوشیزہ کلب کے دروازے پر نوجوانوں کے ساتھ چونچلے کرنے میں مصروف تھی۔''(۱۲)

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے یورپی معاشرے کے بعض مظاہر پر تنقید بھی کی ہے۔ ان کے نزدیک بعض مقامات پر عریانی، بے باکی اور تجارتی مقاصد کے لیے جسمانی نمائش معاشرتی اقدار کے زوال کی علامت بن جاتی ہے۔ تاہم ان کا انداز محض اخلاقی وعظ تک محدود نہیں بلکہ وہ ان مظاہر کو اپنے مشاہدے اور معاشرتی تجزیے کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مصنف نے مختلف شہروں کے لوگوں کے معیارِ زندگی کا بھی بغور مشاہدہ کیا ہے اور کئی مواقع پر ان کا تقابل ترکی کے باشندوں سے کیا ہے۔ ترکی سے ان کی خصوصی وابستگی بھی ان کے مشاہدات میں نمایاں ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک ترکی ان کے لیے پاکستان کے بعد ایک اہم وطن کی حیثیت رکھتا ہے اور ترک معاشرے کے بعض پہلو انہیں خاص طور پر متاثر کرتے ہیں۔

کیمپنگ کے مقامات کا ذکر کرتے ہوئے مصنف وہاں دستیاب سہولیات، صفائی کے معیار اور کم قیمت میں فراہم کی جانے والی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ وہ مغربی معاشروں میں کام اور تفریح کے درمیان قائم توازن کو بھی قابلِ توجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق مغربی معاشروں کے افراد کام کے اوقات میں محنت، دیانت اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں، جب کہ فرصت کے اوقات کو زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ اپنے معاشرے میں وقت کی قدر اور نظم و ضبط کے فقدان پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

اس موقع پر علامہ اقبال کا یہ شعر بھی پیش کیا گیا ہے:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی

نہیں دنیا کے آئینِ مسلَّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف بناوٹ، دکھاوے، منافقت اور نام نہاد اخلاقی اقدار کو ناپسند کرتے ہیں۔ جب وہ یورپ کے طرزِ زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اپنے معاشرے کے بعض ظاہری اخلاقی پیمانوں اور عملی رویوں کے درمیان موجود تضاد کو محسوس کرتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''ایک ہم ہیں کہ سوائے خدائی فوجدار بنتے فتوے فروشی کرنے، منافقت اور ریاکاری کا مظاہرہ کرنے کی کوئی کام نہیں نام نہاد اخلاقی پیمانے بنا کر زندگی کو پیوست کا شکار کر رکھا ہے ہمارے نام نہاد اخلاقی اور مذہبی معیار کا کوئی جواز نہیں لیکن خوف فساد خلق کے سبب ان کے اسیر و پابند ہیں۔''(۱۳)

مصنف اس تمام پس منظر میں انسانیت کو بنیادی قدر قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب کا اصل مقصد انسان کو انسان سے جوڑنا اور معاشرے میں امن، رواداری اور باہمی احترام کو فروغ دینا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک انسانیت ہی سب سے بڑا مذہب ہے ہم اپنی بد اخلاقیوں اور کرتوتوں کے سبب نہ صرف اپنے معاشرے کو خراب کر چکے ہیں بلکہ اپنے سیدھے سادے اور سچے دین اسلام کو بھی بد نام کر رہے ہیں۔''(۱۴)

اسی فکر کو مزید واضح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

''جیو اور جینے دو کا موٹو اپنا لیا جائے دل اور نگاہ میں وسعت پیدا کر لی جائے تو پھر سب انسان بھائی بھائی نظر آئیں گے اور معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائے گا۔''(۱۵)

ترکی سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے مصنف نے شعری انداز بھی اختیار کیا ہے:

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی

یارِ یارِ مہرباں آید ہمی

اسی طرح وہ ایک اور شعر بھی اکثر گنگناتے ہیں:

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق

او بہ صحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

پیرس کے دلکش مناظر کے حوالے سے غالب کا شعر بھی پیش کیا گیا ہے:

ایک کھیل ہے اورنگِ سلیماں میرے نزدیک

اک بات ہے اعجازِ مسیحا میرے آگے

اسی طرح پیرس کے ڈزنی لینڈ کی سیر کے دوران اسٹیج پر ہونے والی تفریحی سرگرمیوں کو دیکھ کر مصنف پاکستان میں بڑھتی ہوئی مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے اثرات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

اٹلی میں مونٹے سانٹو کے قریب ایک ریسٹورنٹ کے باہر ایک ہندو سادھو سے ملاقات کے واقعے کو بھی مصنف نے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس موقع پر وہ مذہبی رسوم، فرقہ واریت اور ضعیف الاعتقادی کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہیں:

> ''ریسٹورنٹ کے باہر ایک ہندو سادھو راما کرشنا تحریک کی کتابیں بیچ رہا تھا یہ ایک گورا تھا اس نے تحریک کا پیروکار سر کنجا اور چیٹا رکھی ہوئی تھی۔سادھوؤں جیسا لباس پہن رکھا تھا مجھ سے کہنے لگا "انڈین" میں نے کہا نہیں پاکستانی۔ پوچھا اس تحریک میں دلچسپی ہے؟ میں نے کہا مسلمانوں کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی ان کی اپنی خانقاہیں، پرپرستی، فتوے فروشی، ضعیف الاعتقادیاں، فرقوں کی تقسیم اور ایک پورا صوفیانہ نظام موجود ہے تو ان کو راما کرشنا تحریک سے کیا واسطہ؟''(۱۶)

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف بنیادی طور پر پاکستانی معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ملتان میں ان کی پرورش ہوئی۔ وہ جنوبی ایشیائی اور بالخصوص پاکستانی مذہبی و معاشرتی روایات سے بخوبی واقف ہیں۔ تاہم ان کے مشاہدے میں مشرقی معاشرے کی بعض کمزوریاں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ وہ ضعیف الاعتقادی، فرقہ واریت اور بعض غیر ضروری رسوم کو معاشرتی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ یورپی معاشروں کی ترقی کو وہ جدید سائنسی فکر، تعلیم، نظم و ضبط اور قدیم رسوم سے نجات کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔

ان کے خیال میں مسلم معاشرے کو اپنی علمی اور تہذیبی میراث کی طرف دوبارہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

بلجیم کے شہر اوستندے (Oestende) کی منظرکشی بھی ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے جمالیاتی اسلوب کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ اس شہر کی سرسبزی، پارکوں، تراشیدہ باڑوں، درختوں، عمارات اور مجموعی ماحول سے متاثر نظر آتے ہیں۔ کیمپنگ کمپلیکس کی سہولیات کو وہ اس قدر پسند کرتے ہیں کہ اسے ارضی جنت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میرے جیسے گنہگار انسان کے لیے اگر اگلی دنیا کی فردوس میں جگہ ملنے کی رتی بھر امید نہ ہو جنت نظیر جگہوں پر چند راتیں گزارنا خوش نصیبی سے کم نہیں۔"(۱۷)

پیرس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مصنف نے مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے "پیار کا پہلا شہر" سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس کے ذریعے پیرس کی سڑکوں، عمارات اور ایفل ٹاور سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں۔ ایفل ٹاور کے تاریخی پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

> ''یہ ٹاور 1889ء میں پیرس میں منعقد ہونے والی ایک عالمی نمائش کے موقع پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ دور انقلاب اور سائنسی فتوحات کا دور تھا۔ اس ٹاور کا ڈیزائن ایک نام ور انجینئر گستاؤ ایفل نے تیار کیا اور اسی کے نام پر اس ٹاور کا نام پڑ گیا۔ اس کی اونچائی 1050 فٹ بتائی جاتی ہے۔ یہاں عالمی نمائش اور میلے خوب منعقد ہوتے ہیں۔''(۱۸)

پیرس کے ریپبلک چوک پر موجود مجسمۂ آزادی کے نمونے کا ذکر بھی مصنف نے قاری کی معلومات میں اضافے کے لیے کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دورانِ سفر تاریخی اور ثقافتی علامتوں کو بھی خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔

یورپی معاشرے میں عورت کی سماجی حیثیت بھی مصنف کے مشاہدے کا اہم موضوع ہے۔ وہ عورت کی معاشی خودمختاری، نقل و حرکت کی آزادی اور عملی زندگی میں اس کے کردار کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے مطابق یورپ میں خواتین تعلیم، ملازمت اور گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ سائیکل، موٹرسائیکل اور گاڑی چلانے جیسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ وہ رات گئے تک بھی اپنے معمولات انجام دیتی ہیں اور تفریح کے لیے آزادانہ طور پر باہر نکلتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ مشرقی معاشرے میں عورت کی صورتِ حال کو مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر "ہوسِ سیر و تماشا" میں ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے مشرقی یورپ اور دیگر یورپی ممالک کے سفر کا احوال نہایت مشاہداتی انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی تحریر میں سنجیدگی، شگفتگی، رومان پسندی، طنز و مزاح، تاریخی شعور اور معاشرتی تجزیہ باہم مربوط نظر آتے ہیں۔ وہ کسی مقام سے محض سرسری طور پر نہیں گزرتے بلکہ گلیوں، مکانات، عمارات، شاپنگ سینٹرز، تعلیمی اداروں، شاہراہوں، تاریخی مقامات، صفائی کے نظام، اخلاقی و معاشرتی اقدار، لوگوں کے رہن سہن، لباس، رسوم و رواج، مذہبی روایات، سہولیات، اقتصادی حالات اور عمومی طرزِ زندگی کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں۔

اگرچہ مختصر مدت میں کسی بھی خطے کی مکمل تہذیبی اور معاشرتی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں، تاہم ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے اپنے مشاہدے، مطالعے اور تخلیقی اظہار کی مدد سے مختلف ممالک کی زندگی کے متعدد پہلوؤں کو قاری کے سامنے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی نثر میں سادگی، روانی، منظر نگاری، تاریخی معلومات، تقابلی اندازِ فکر، طنز و مزاح اور انسانی ہمدردی نمایاں خصوصیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی عناصر "ہوسِ سیر و تماشا" کو محض سفری روداد کے بجائے ایک ایسے ادبی سفرنامے میں تبدیل کرتے ہیں جس میں جغرافیہ، تاریخ، تہذیب، معاشرت، سیاست، معیشت اور انسانی رویوں کا باہمی امتزاج دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات

اے -بی- اشرف ،ڈاکٹر، ہوس سیر و تماشا ،لاہور، جمہوری پبلی کیشنز 2016ء،ص21

محمد خاں،اشرف، ڈاکٹر ،ڈاکٹر اے -بی- اشرف، الحمرا، سال نامہ جنوری 2022ء،ص15

اے -بی- اشرف- ڈاکٹر ،ہوس سیر و تماشا ،لاہور، جمہوری پبلکیشنز 2016ء،ص47

ایضاً ،ص59

ایضاً ،ص23

ایضاً ،ص25

ایضاً ،ص71

انوار احمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر اے- بی- اشرف کی شخصیت الحمرا(سال نامہ جنوری 2022ء)

اے بی اشرف ڈاکٹر ہوس سیر و تماشا، لاہور جمہوری پبلکیشنز 2016ء،ص37

ایضاً ،ص37

ایضاً ،ص39

ایضاً ،ص40

ایضاً ،ص13

ایضاً ،ص15

ایضاً ،ص114

ایضاً ،ص133

ایضاً،ص79

ایضاً ،ص105